اسلام اور تھیاکریسی

عبد الحمید ایم اے

( )

اسلام نے اپنے نظامِ فکر کا آغاز ہی اس حقیقت سے کیا ہے کہ مستقبل کے امکانات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ ہاں مستقبل ذاتِ الٰہی کے علمِ کُلّی میں فعلیت اور تخلیق کی حیثیت سے مضمر رہا ہے اس وجہ سے کہ ذاتِ واجب کے علم میں وہ سب امکانات ہوتے ہیں جو عالم میں تکمیل پذیر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے اُس نے انسان کی پوری راہنمائی کا سامان کر دیا ہے۔ تاہم اس میں کچھ مضمرات ایسے بھی ہیں، جن کے اطلاقات نے روزِ ازل سے ہی تعین کی شکل اختیار نہیں کی۔ انہیں فہمِ انسانی کی سعی اور جہد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام بلاشبہ ایک مکمل دین، ایک متعین نظامِ حیات ہے جس میں زندگی کے ہر ہر گوشہ سے متعلق تفصیلی ہدایات ملتی ہیں لیکن وہ کبھی اس کا قائل نہیں کہ معاشرہ بجائے خود ساکن ہے اور اس میں کچھ ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر علماء اسلام اجتہاد کی مدد سے اُس روشنی کو جو عموماتِ کتاب و سنت میں پہلے سے پوشیدہ ہے، زمانہ کی ہر چال کے ساتھ منظرِ عام پر لاتے رہے اور اس طرح انہوں نے ہر دور میں نسلِ انسانی کی رہنمائی کی۔ انہوں نے نہ تو زمانہ کو پیچھے گھسیٹا، اور نہ ہی ہر نئی چیز کو بغیر سوچ سمجھے سینہ سے لگایا، بلکہ تاریخ کی انتصاری رفتار سے جو نئے مسائل اُبھر کر سامنے آئے اُن کو اچھی طرح سمجھ کر کتاب و سنت سے اُن کا حل بھی پیش کیا۔ اس طرزِ فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تنگ نظری اور تعصب کے اُن مسموم اثرات سے جنہوں نے تھیاکریسی کے پیرووں کو برباد کیا ہمیشہ محفوظ رہے۔ اسلام کے ایک ولندیزی نقاد نے اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے:

> "جب ہم قانونِ اسلام کے ارتقا کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ ایک طرف ہر زمانہ کے علماء معمولی معمولی بات پر اپنے مخالفین کی تکفیر بھی کرتے رہے مگر دوسری طرف

یہی لوگ اپنے پیشرووں کے باہمی اختلافات کو بھی برابر رفع کرتے رہے۔"

اسلام نے حیاتِ انسانی کے حرکی تصور کو پیش کر کے مسلمانوں کے قلوب کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ تھیا کریسی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تھیا کریسی میں رائے کے معمولی اختلاف پر مذہبی عدالتوں (INQUISITIONS) کے چہروں پر شکن آ جاتے اور ان اختلاف کرنے والوں کو نہایت ہی عبرتناک سزائیں دی جاتیں۔ اسلام نے اس کے برعکس رائے اور مسلک کی آزادی کو پوری اہمیت دی ہے۔ اس باب میں اسلامی قانون کی سب سے بہتر وضاحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی ہے۔ ان کے زمانہ میں خوارج کا گروہ پیدا ہوا تھا جو آج کل کے انارکسٹ اور نہلسٹ گروہوں سے ملتا جلتا تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں وہ علانیہ اسٹیٹ کے وجود کی نفی کرتے تھے اور بزورِ شمشیر اس کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے اُن کو پیغام بھیجا۔

کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تسفکوا دما ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدا۔

تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور رہزنی نہ اختیار کرو اور ظلم سے باز رہو۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت علیؓ نے ان کو پیغام دیا کہ

لا نبدأکم بقتال ما لم تحدثوا

جب تک تم فساد نہ کرو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت میں کوئی گروہ جو خیالات چاہے رکھے اور پر امن طریقے سے جس طرح چاہے اپنے خیالات کا اظہار کرے[1]۔ اسلامی حکومت اس کو نہ روکے گی البتہ اگر وہ اپنے خیالات زبردستی (BY VIOLENT MEANS) مسلط کرے اور نظامِ ملکی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے تو اُس کے خلاف کارروائی کی جائے گی[2]۔

---

[1] مرتد کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ جب اسلام کو چھوڑتا ہے تو ملکی قانون (THE LAW OF THE LAND) سے بغاوت کرتا ہے اور باغی کی سزا قتل ہوتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" از سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ [2] بحوالہ اسلامی دستور کی تدوین از سید ابو الاعلیٰ مودودی۔

یہی نہیں بلکہ وہ غیر مسلم جو اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں دے دیں انہیں نہ صرف زندگی کی وہ ساری سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں جن سے مسلمان متمتع ہوتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی حقوق اور ان کے پرسنل لا کی بھی پاسبانی کی جاتی ہے[1]۔

آخر میں ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ اس فرق کو بیان کرتے ہیں جو اسلام اور تھیاکریسی کے نظام ہائے معاشیات میں پایا جاتا ہے۔

ہم گذشتہ صفحات میں اس امر کی پوری طرح وضاحت کر چکے ہیں کہ تھیاکریسی میں دنیاداری نری ایک مہا پاپ ہے۔ اس کے مطابق یہ عالم ایک "مایا" یا دام کا وہ دانہ ہے جسے شکاری نے خوبصورت اور پوشیدہ پھندوں کے درمیان بکھیر دیا ہے۔ اب جو کوئی اسے اٹھانے کی کوشش کرے گا وہی ان میں گرفتار ہو گا۔ لہٰذا انسان کے لیے عافیت اسی میں ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کے معاملات سے پوری طرح کنارہ کش رہے[2]۔ یہ نظریہ بظاہر کتنا ہی جاذبِ نظر کیوں نہ ہو مگر حقیقت سے اتنا دُور ہے کہ ایک سماج کے سارے افراد اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند باعزم انسان اس دنیا سے منہ موڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی طرف چلے گئے۔ باقی رہنے والوں میں ایک ایسا عیار طبقہ بھی تھا جو دوسروں کی کمائی پر جینا چاہتا تھا۔ اس طبقہ نے میدان میں کسی دوسرے کو اپنا مدمقابل نہ پا کر اپنے ان خطرناک عزائم کی تکمیل کے لیے مذہب کا سہارا لیا۔ اس سلسلہ میں جو پہلا کام اس نے کیا وہ یہ تھا کہ دوسروں سے اپنی برتری کو تسلیم کروایا۔ پھر انہیں یہ بات بھی ذہن نشین کرائی کہ ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کے عیش و آرام کے لیے سامان فراہم کرتے رہیں اور اگر وہ اس فرض کی بجا آوری سے روگردانی کریں تو وہ

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے "اسلامی ریاست (۶) غیر مسلموں کے حقوق" از مولانا امین احسن اصلاحی

[2] آنجہانی لانڈا شامپ نے اپنی کتاب عیسائیت اور معاشیات میں لکھا ہے:

"معاشی امور میں انجیل سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش عموماً ناکام رہی ہے عیسائیوں کی مذہبی کتاب کسی خاص معاشی نظام یا سیاسی جماعت یا معاشی زندگی کے لیے کسی لائحہ عمل کو پیش نہیں کرتی۔

سخت مجرم ہیں۔ مثال کے طور پر چند احکام ملاحظہ کیجیے :۔

"برہمن اپنی پیدائش ہی سے دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ اور برہما جی نے اپنی عبادت کے زور سے برہمن کو اپنے منہ سے پیدا کیا ہے" دھرم کی رو سے نیچی ذات والا علم سے بڑوں کے کرم (پیشہ) سے اوقات گزاری کرے تو راجہ اُسے بے زر کر کے جلد اپنے ملک سے نکال دے۔ برہمن کی سیوا (خدمت) شودر کا بڑا کرم (عبادت) ہے۔ اس کو چھوڑ کر اور جو کچھ کرتا ہے وہ سب نسپل (بے ثمر) ہے[1]۔

برہمن اور غیر برہمن کی اس تفریق کو خالص معاشی معاملات میں بھی روا رکھا گیا ہے۔ مثلاً قرض کی شرح سود برہمن سے فیصدی دو روپے، چھتری سے تین روپے، ویش سے چار روپے، اور شودر سے پانچ روپے[2]۔ اسی طرح کسی برہمن کی چار بیویاں چار مختلف ذاتوں کی ہوں تو برہمن کا بیٹا چار حصے کشتری کا بیٹا تین حصے، ویشیہ کا بیٹا دو حصے اور شودرہ کا بیٹا ایک حصہ لے گا[3]۔

پھر اس عیار طبقے نے پیشوں کی اس تقسیم کو اتنا مستقل بنا دیا کہ ایک انسان کے لیے ایک پیشہ کو چھوڑ کر دوسرے پیشے کو اختیار کرنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اور یہ ساری چالاکیاں اس لیے کی گئیں تاکہ لوگ ان کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکیں۔ اس سلسلہ کا ایک فرمان ہے :۔

"اے کنتی کے فرزند! اپنا کرم (پیشہ) اگر باعیب بھی ہو تو نہ چھوڑنا چاہیے۔ سب کاموں کے آغاز عیب سے لپٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جیسے آگ دھوئیں سے لپٹی رہتی ہے[4]۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ تھیاکریسی میں بالعموم اہلِ پیشہ کو حقیر اور ادنیٰ تصور کیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کی وہ قدر نہیں ہوتی جتنی کہ ایک بڑے طبقہ کے فرد کی۔ چنانچہ بائبل میں مذکور ہے :۔

"اگر آقا اپنے خادم یا خادمہ کو ایک ڈنڈا رسید کرے اور وہ اس وقت مر جائے تو اس کو سزا دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن زندہ رہے تو اس کو سزا نہ دی

[1] منوسمرتی ص[illegible] ، ص[illegible] ، ص[illegible] ،

جائے گی کیونکہ وہ اس کا مال ہے۔[1]"

یہی نہیں بلکہ اس طبقہ نے اپنی عیش پرستی کے لیے وہ وہ طریقے وضع کیے جن کے تصور سے عقل عاجز ہے۔ لیوپولڈ رینک نے اپنی کتاب "تاریخ پوپ" (THE HISTORY OF POPES) میں ان کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ دولت کی ہوس اور مال کے عشق نے اس طبقہ کو اتنا مغلوب کر رکھا تھا کہ مذہبی عہدے اور منصب معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے اور ان کا نیلام بھی ہوتا تھا۔ جنت کے قبالے، مغفرت کے پروانے، نقضِ قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ بے تکلف بکتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مذہبی عہدہ دار سخت راشی اور سود خوار ہو گئے اور دولت کو بے دریغ اڑانے لگے۔ ان کی فضول خرچی اور اسراف کا یہ حال تھا کہ پاپائے انوسینٹ ہشتم نے پاپائی کا تاج تک رہن رکھا۔ اسی طرح پاپائے لیو دہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑا ڈالی یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی پہلے وہ خرچ کی۔ اس کے بعد اپنی دولت، جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہوتی تھی۔[2]

اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ مملکت کے انتظام چلانے کے لیے جو روپیہ حاصل کیا جاتا اُس میں یہ طبقہ بالکل حصہ دار نہ ہوتا۔ اس قسم کے قوانین بنائے گئے جن کی رُو سے ٹیکسوں کا سارا بوجھ غریبوں پر پڑتا اور یہ لوگ ان کی زد سے بالکل محفوظ رہتے۔ منوسمرتی میں اس کی یوں صراحت کی گئی ہے۔

" بادشاہ خواہ کتنا ضرورت مند ہی کیوں نہ ہو، اُسے برہمن پر کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کرنا چاہیے۔"

اس قسم کے قوانین کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماج دو مختلف طبقوں میں بٹ گیا ایک طرف تو مذہبی گروہ ہر قسم کی عیاشیاں کرتا اور اس کی مقناطیسی حیثیت گردو پیش سے مزید دولت سمیٹتی چلی جاتی اور دوسری

---

[1] بائبل ہجرت باب ۲۱

[2] معرکۂ مذہب و سائنس از ظفر علی خاں

طرف عوام ہر لمحہ مفلوک الحال ہوتے چلے جاتے۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ اسلام نے ان معاملات میں کیا نظریہ پیش کیا ہے۔

اسلام تھیا کریسی کی طرح اس دنیا کو نہ تو "مایا" سمجھتا ہے اور نہ دام کا وہ دانہ جسے شکاری نے خوبصورت جال میں بکھیر دیا ہے بلکہ اسے ایک حقیقت سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً (ص۔ ۲)	ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ بیکار و ناحق پیدا نہیں کیا۔
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران۔ ۲۰)	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن اور رات کے اُلٹ پھیر میں بڑی نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اور غور کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور ان کو دیکھ کر پکار اُٹھتے ہیں) کہ اے پروردگار تو نے اس کو بیکار نہیں پیدا کیا۔

قرآن حکیم نے زندگی سے فرار اور کنارہ کشی کو نیکی سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اُس کے نزدیک نیکی یہ ہے کہ ایسا صالح ماحول پیدا کیا جائے جس میں کسی قسم کے ناجائز انتفاع کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ کسی طبقہ کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ دوسروں کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرے یا اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہ دوسروں کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالے۔ اسلام مسلمانوں سے ایک ایسے نظام کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے جس میں ہر فرد حیاتِ مستعار کی چند گھڑیاں پورے سکون و اطمینان سے گزار سکے۔ اس لیے جس طرح اُس نے زندگی کے دوسرے معاملات میں ہدایت دی ہے اسی طرح اُس نے معاشی زندگی کے لیے وہ قوانین دیئے ہیں جن کی مدد سے سماج میں ہر قسم کی بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں قرآن حکیم نے سب سے پہلے جس بنیادی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی عزت اور اصلی مفاخرت دولت کی فراوانی اور سرمایہ کی کثرت میں نہیں بلکہ دلوں کے تقویٰ اور اعمال کی صالحیت میں ہے۔ اس کے ساتھ اس نے افراد کے ذہن سے اس غلط خیال کی بھی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی فرد بھی محض اپنی پیدائش کی بنا پر دوسروں پر برتری اور تفوق کا حقدار نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (۴۹-۱۳)	اے ساکنان زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور ایک ہی نوع کی عورت سے پیدا کیا ہے۔ (یعنی ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو) اور تمہارے مختلف گروہ

اور قبیلے محض اس لیے بنا دیئے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ اللہ کے نزدیک تم سب میں قابل عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام نے نہ صرف ہر قسم کے مصنوعی امتیاز کو یک قلم مٹا دیا بلکہ محنت اور مزدوری کے خلاف سماج میں جو جذبۂ نفرت موجود تھا اُسے بھی ختم کر دیا۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں اور بعد میں اس کا ذکر فخریہ طور پر فرماتے۔ آپ نے اُجرت پر بوجھ بھی کیا اور ارشاد فرمایا:۔

الکاسب حبیب اللہ	پیشہ والے اللہ کے دوست ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن پاک نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان پر فرداً فرداً اس کے تمام اچھے اور بُرے اعمال کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے اس لیے یہ خیال بالکل خام ہے کہ کوئی ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر سکتا ہے یا اللہ کے علاوہ انہیں معاف کر دینے کا مجاز ہے۔ اسلام نے اس توقع کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کوئی فرد بھی کسی بڑے سے بڑے تعلق اور کسی مضبوط سے مضبوط واسطہ کے طفیل جرائم کی پاداش سے بچایا جا سکتا ہے۔

وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَ لَا	ہر نفس جو کچھ کماتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے کوئی

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۶-۳)

کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۶۰: ۱)

قیامت کے دن تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد ہرگز کام نہ آئے گی۔ تمہارے درمیان اللہ فیصلہ کریگا۔ اور اُس کی نظر تمہارے عملوں پر ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى - (۳۵: ۳)

کوئی شخص کسی دوسرے کا بارِ گناہ اپنے سر نہ لے گا۔ اور کسی پر گناہوں کا بڑا بار ہو اور وہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو وہ اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اپنے اوپر نہ لیگا خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا - (۲۱-۴)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جب کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔

ان آیاتِ شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہ تو کسی دوسرے کو نجات کا وعدہ دلا سکتا ہے اور نہ اُسے مغفرت کی دستاویز دینے کا حق رکھتا ہے۔ قرآن کی رُو سے ان ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت بالکل حرام ہے۔ اور غالباً اسی قسم کی کمائی کے متعلق کلام پاک میں یہ تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - (التوبہ - ۵)

اے مومنو! یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ایک مسلم سوسائٹی میں ایسی تمام چیزوں کے استعمال کو منع فرما دیا ہے جن کی ترکیب اُن عناصر سے کی گئی ہو جو یا تو جسمانی امراض کا مبدا بنتی ہوں، یا لوگوں کے قوائے حیوانی کو برانگیختہ کرنے

میں ممد و معاون ہوں، یا اُن کے استعمال سے غرور، خود نمائی، اور جابرانہ نخوت ایسے مذموم جذبات بھڑکتے ہوں۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (مائدہ)

پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارے لیے کھلا دشمن ہے۔

"حلالاً طیباً" کی تفسیر میں علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:۔

"طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نصِ قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے۔ ان کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لیے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لیے ان کا استعمال درست نہیں اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اُس شئے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی ہے بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے، ان کی ممانعت طیب کہہ کر کردی گئی ہے۔

پس جو شئے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ ربا، رشوت، جُوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی، وہ بھی حرام ہے اس لیے کہ طیب نہیں ہے پس ہر خبیث شئے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو۔"

اس کے علاوہ قرآن پاک نے بڑی سختی کے ساتھ مال دولت کے احتکار اور اکتناز کو منع فرمایا ہے تاکہ دولت کی گردش رک کر عام لوگوں کی زندگی کو خستہ حال نہ کردے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ

اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اُن کو

بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ (توبہ)

دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے اُن کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور پیٹھ کو داغا جائیگا اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا اور اب اس کے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

اسی طرح قرآن پاک نے خرچ پر بھی پابند عائد کر دی ہے تاکہ سماج کا کوئی طبقہ اپنی دولت کو عیش و عشرت میں ضائع نہ کرے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا — کھاؤ، پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا — اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ — بلا شبہ اخراجات میں حد سے تجاوز کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم فوائد القرآن میں "تبذیر" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اور خدا کا دیا ہوا مال فضول خرچی میں مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا باعث بنے"

اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک نے وہ مدیں (ITEMS) بھی بیان کر دی ہیں جن پر ایک مسلم کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ۔ — اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (بنی اسرائیل) — اور قرابت والوں اور مساکین اور مسافروں کو ان کا حق دو۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ — اور ان کے اموال میں ضرورتمند اور تنگدست لوگوں کا حصہ ہے۔

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (اعراف) — اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ (البقرہ) — وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجئے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو پس والدین کے لیے ہو اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے۔ اور جو نیکی بھی تم کرو بلا شبہ اللہ جاننے والا ہے۔

ان آیات سے اسلام کے نظامِ مالیات کا بھی ایک ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تھیاکریسی میں امراء جو بالعموم مذہبی طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہر قسم کے ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد ہوتے ہیں اور محاصل کا سارا بوجھ تنہا غربا کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں یہ ذمہ داری انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو فارغ البال ہوں۔ یہاں مفلسوں کے افلاس اور اُن کی کمزوری سے ناجائز فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ حکومت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ امرا کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں غربا کی فلاح و بہبود پر صرف کریں۔ زکوٰۃ کی اصلی غرض و غایت خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمائی ہے۔

تؤخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم — مالداروں سے لی جائے اور ناداروں میں بانٹی جائے۔

ان تصریحات کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے وہ تھیاکریسی سے بالکل مختلف ہے۔ ایک صحیح مسلم سوسائٹی میں کسی طبقہ یا فرد کے لیے کبریائی کے ٹھاٹھ قائم کرنے کے لیے کوئی موقع نہیں۔ اس میں فرد جس قدر بھی زیادہ کماتا ہے اسی نسبت سے اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اس لیے وہ انفاق پر مجبور ہوتا ہے۔ اس لیے ایک مسلم معاشرہ میں یہ صورت حالات پیدا نہیں ہو سکتی کہ سادہ لوح عوام تو دن رات محنت کر کے کمائیں اور ان کی کمائی پر ایک طبقہ مذہب کی آڑ لے کر عیش و آرام کرتا رہے۔

یہ ہے وہ عظیم فرق جو اسلام اور تھیاکریسی کے درمیان پایا جاتا ہے۔